© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

اس اشاعت سے برادرِ عزیز مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی برہان کی ادارت سے باضابطہ طور پر سبکدوش ہو رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں کسی صاحب کو ہمارے باہمی تعلقات کی نسبت کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ بات صرف یہ ہے کہ اب موصوف کا تعلق دہلی یونیورسٹی کے مشہور اور رفیع الرتبت کالج سینٹ اسٹیفنس کالج سے ہو گیا ہے برادرِ عزیز نے ایم اے کا امتحان اسی کالج کی طرف سے دیا تھا، پھر اس کے بعد ان کو متعدد مرتبہ اسی کالج میں عارضی طور پر کام کرنے کا موقع بھی ملا، مگر اب یہ تعلق معقول مشاہرہ پر مستقل ہو گیا ہے۔ یہ چند سطور محض اطلاعاً لکھی جا رہی ہیں تاکہ جو اصحاب ازراہِ خلوص و محبت اس سلسلہ میں استفسار کر رہے ہیں وہ اور دوسرے حضرات باخبر ہو جائیں اور ان کو کسی غلط فہمی یا بدگمانی میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا نام نامی دارالعلوم دیوبند کی نسبت سے ہر شخص جانتا ہوگا، لیکن آپ کی علمی خصوصیات سے غالباً تمام علما بھی واقعی طور پر باخبر نہ ہوں گے۔ جن خوش نصیب افراد کو آپ کی تصنیفات اور خصوصاً "حجۃ الاسلام"، "آبِ حیات" اور "تقریر دلپذیر" وغیرہ کے مطالعہ کا موقع ملا ہے اور انھوں نے ان گوہر ہائے آبدار کی صحیح قدر و قیمت پہچاننے کی سعادت حاصل کی ہے وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ مولانا مرحوم نے ان تصنیفات میں اسلام کو اور اس کی اصولی اور بنیادی تعلیمات کو ایسے ٹھوس اور ناقابلِ رد عقلی اور مشاہداتی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے کہ کوئی سلیم الطبع اور متلاشئ حق انسان اسلام کی صداقت و حقانیت کو تسلیم کرنے سے ابا نہیں کر سکتا۔ مولانا نانوتوی کی تحریروں کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہ بڑے بڑے فلاسفہ کے اقوال کا حوالہ دیتے ہیں نہ کتابوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں اور نہ غیر مسلموں سے گفتگو کرتے ہوئے قرآن و حدیث کا ذکر درمیان میں لاتے ہیں بلکہ خالص مشاہداتی اور محسوساتی امور کو جن کا کوئی شخص انکار کر ہی نہیں سکتا اور جو مسلماتِ عام کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو آپ اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گفتگو کا اصولِ موضوعہ بناتے ہیں اور پھر اُسی پر اپنے دلائل وبراہین کی بنیاد قائم کرتے چلے جاتے ہیں۔ اگر غور و تدقیق سے دیکھا جائے تو بین طور پر یہ محسوس ہوسکتا ہے کہ مولانا کا طرزِ استدلال بڑی حد تک وہی ہوتا ہے جو خود قرآن کا طرزِ استدلال ہے بعض بعض مقامات پر تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ مولانا رکوع کے رکوع کا ترجمہ کرتے چلے جارہے ہیں لیکن انداز بیان خالص عقلی اور منطقی ہوتا ہے فلسفہ ومنطق کی اصطلاحات اس کثرت سے ہوتی ہیں کہ ان دونوں فنون میں مہارت کے بغیر کوئی شخص مولانا کی تحریروں کو پورے طور پر سمجھ بھی نہیں سکتا۔

جدید علم کلام کو مرتب کرنے کی ضرورت عرصہ سے محسوس ہورہی ہے تاکہ اس لباسِ نو میں اسلام کو موجودہ دنیا کے علم کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے مولانا شبلی نعمانیؒ نے قلم اٹھایا اور الکلام و علم الکلام کے نام سے دو وقیع رسالے لکھے لیکن اربابِ نظر جانتے ہیں کہ مولانا چونکہ فلسفۂ جدید کے عالم نہیں تھے اور کسی مغربی زبان سے بلاواسطہ استفادہ بھی نہیں کرسکتے تھے۔ اس بنا پر اسلام کے عقائد کو فلسفۂ حال کے مقابلہ میں ثابت کرنے کی نیت اور ارادہ کے باوجود ان کی کوشش فلسفۂ قدیم سے آگے نہ بڑھ سکی۔ جیسا کہ خود مرحوم نے الکلام کے شروع میں خود بھی اعتراف کیا ہے۔ الکلام اور علم الکلام کا مایۂ خمیر وہی علم الکلام کے دلائل وبراہین ہیں جو امام غزالی، امام رازی، ابن سینا، اور ابن رشد وغیرہ نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔ مولانا شبلی نے صرف یہ کیا ہے کہ ان کو نہایت سلیقہ و عمدگی سے مرتب کرکے شستہ اور علمی زبان میں پیش کیا ہے اور جہاں کہیں ہوسکا ہے فلاسفہ وحکمائے مغرب کی آراء و نظریات کو بھی نقل کردیا ہے۔ مولانا کی یہ کوشش علمی اور ادبی حیثیت سے خواہ کتنی ہی وقیع ہو لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ ہم اس کو علم کلام جدید نہیں کہہ سکتے اور چونکہ مولانا نے اسلامی عقائد و اعمال کے اثبات کے لئے بنیاد ہی فلسفۂ قدیم کے مقدمات پر رکھی ہے اس لئے جس دن اس فلسفہ کی عمارت میں ٹیڑھ آگئی۔ پھر ان دلائل کی بھی خیر نہیں ہے۔

اس کے برخلاف مولانا نانوتویؒ نے اسلام کے اثبات کے لئے جو طریقِ استدلال اختیار کیا ہے وہ انسانی مشاہدات و محسوسات اور عقلی تجربات و یقینیات کی ایسی بنیادوں پر قائم ہے جو اس دنیا کی ازلی اور ابدی حقیقتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ اور جب تک آگ سے حرارت، پانی سے برودت اور آفتاب سے روشنی فنا نہیں ہو جاتی ان دلائل و براہین میں کوئی دراڑ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا نانوتویؒ نے درحقیقت اپنی تصنیفات میں ایک بالکل جدید علم کلام پیش کیا ہے جو پائندہ و جاوید ہے اور جس میں سائنس خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے رخنے پیدا نہیں کر سکتی۔

اس بنا پر سخت ضرورت تھی کہ علمائے کرام مولانا نانوتویؒ کے اس عظیم الشان اور قطعاً الہامی کارنامہ کی قدر کرتے۔ آپ کی تصنیفات کو مذاقِ حال کے مطابق جدید تہذیب و ترتیب اور تبویب کے ساتھ عمدہ کتابت و طباعت سے آراستہ کر کے شائع کیا جاتا۔ ان کی شروح لکھی جاتیں۔ نئی زبان اور تقاضائے حال کے مطابق جدید انداز بیان کے پیرایہ میں انھیں مسائل اور دلائل و براہین کو پیش کیا جاتا اور سب سے بڑھکر ضرورت اس کی تھی کہ ان کتابوں کو نصاب درس میں شامل کر کے ان پر کم از کم اتنی توجہ کی جاتی جتنی کہ شمس بازغہ اور صدرا پر کی جاتی ہے لیکن اس درد و الم کا اظہار کس سے کریں کہ ان میں سے ایک کام بھی نہیں ہوا۔ مولانا نانوتوی دنیا سے عرصہ ہوا چل بسے اور ان کی زبان کے خاموش ہوتے ہی ان کی یہ معنوی یادگاریں بھی گوشۂ خمول و گمنامی میں روپوش ہو گئیں فیا للاسف۔

برہان کی اس اشاعت میں ہم مولانا عبید اللہ سندھی کے ایک اعلان کے ساتھ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی ایک تحریر بھی شائع کر رہے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مولانا نانوتویؒ کی تصنیفات کی کیا قدر و قیمت تھی اور وہ کس طرح چاہتے تھے کہ حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ کی بعض تصنیفات کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا نانوتوی کی تصنیفات بھی نصاب تعلیم میں شامل ہوں اور ان کتابوں کا خاطر خواہ اہتمام کیا جائے۔ لیکن حضرت شیخ الہند کی اس دلی تمنا اور آرزو کی تکمیل دار العلوم دیوبند کے ذمہ دار اصحاب نے کس طرح کی؟ بس کچھ نہ پوچھئے "اگر گویم زباں سوزد" کا عالم ہے۔ ہم خود ایک مدت سے چیخ رہے ہیں کہ نصاب میں اصلاح کرو۔ زمانہ کے مقتضیات کے مطابق علوم و فنون شاملہ درس میں ترمیم و تنسیخ کرو لیکن ہماری کوئی نہیں سنتا۔ اب حضرت شیخ الہند کی یہ تحریر دیکھکر ہمیں بڑی خوشی ہوئی مگر ساتھ ہی ایک بڑی حسرت بھی ہوئی کہ جن حضرات نے حضرت شیخ الہند کی آرزو کا احترام نہیں کیا وہ ہماری بات کیا سنیں گے؟

مایوسی کی انھیں ظلمتوں میں مولانا سندھی کا اعلان آفتاب امید کی ایک کرن بنکر چمکا ہے۔ مولانا نے مصمم عزم کیا ہے کہ وہ اپنے اور کل کے استاد کی اس وصیت کی تکمیل و تعمیل کے لئے دہلی میں مستقل قیام فرمائیں گے اور ارباب استعداد کو حضرت شاہ ولی اللہؒ اور مولانا نانوتویؒ کی تصنیفات کا درس بالالتزام دیں گے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین جزاءً حسنا۔

© rasailojaraid.com